بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یوں تو پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ہی لیکن خاص طور پر سابق گورنر جنرل ملک غلام محمد کے دورِ اقتدار سے لے کر آج تک اربابِ حکومت کے طرزِ عمل میں جو ایک خوفناک رجحان مسلسل پرورش پا رہا ہے اور جس نے چند سالوں سے بڑی تشویشناک صورت اختیار کر لی ہے، وہ یہ ہے کہ قوم کو ہر اُس معاملے میں جو اس کے لیے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتا ہے، بالکل بے خبر رکھا جائے اور حقائق کو اس سے پوری طرح چھپایا جائے۔

حقائق کو اخفا میں رکھ کر دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے کا کام عام طور پر دو قسم کے لوگ دو مختلف حالات میں کرتے ہیں۔ ایک دردمند معالج جو مریض کی صحت یابی سے مایوس تو ہو، مگر مریض اور اس کے ان عزیز و اقارب کے جن کے بارے میں اُسے یہ احساس ہو کہ اگر ان پر یہ راز کھل گیا تو یہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکیں گے، اصل صورتِ حال کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے طرزِ عمل کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی اخفا کی کوششوں میں بڑی دردمندی اور دلسوزی پائی جاتی ہے اور مریض کی صحت کے بارے میں اس کے لواحقین کی طرح وہ خود بھی بڑا ہی مضطرب ہوتا ہے اور مریض کی موت پر صدمات کی جو چوٹ اس کے عزیزوں کو سہنی ہے وہ خود بھی اسے دل کی گہرائی میں پوری شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ مریض اور اس کے وابستگان کے ساتھ اس کا رویہ غیر معمولی طور پر ہمدردانہ ہوتا ہے۔

اس دردمند، اہلِ دل اور حساس معالج کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی معاملات کو اخفاء میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے اپنی ہنرمندی اور چابکدستی خیال کرتے ہیں۔ مثلاً اگر دو یا چند اشخاص مل کر کاروبار کر رہے ہوں تو عیار شریکِ کار اپنے دوسرے رفیق یا رفقاء سے اصل صورتِ حال کو ہمیشہ چھپانے کا التزام کرتا ہے اور انہیں تاثر یہ دیتا ہے کہ اس کی ذہانت اور فطانت کی وجہ سے کاروبار غیر معمولی رفتار کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، منافع کی رفتار بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور ان کی کاروباری ساکھ کو ہر آن چار چاند لگ رہے ہیں مگر ان کے شرکاءِ کار کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ صاحب جو کچھ فرما رہے ہیں اُس میں کس حد تک صداقت ہے۔ بہی کھاتے چونکہ اسی شخص کے قبضے میں ہوتے ہیں، اس لیے وہ اصل حقائق کو جاننے سے ہمیشہ قاصر رہتے ہیں۔ البتہ کاروبار کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں سخت تشویش لاحق ہوتی ہے اور وہ

جب اپنے اندرونی اضطراب کا اس کے سامنے اظہار کرتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیتا ہے کہ تم دشمنوں کی باتیں سن کر ان سے دھوکا کھا گئے ہو۔ اور اس وجہ سے بے چینی کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ میں محنتِ شاقہ سے کاروبار کو کس بلند مقام پر لے جا رہا ہوں۔ تم اندھے ہو، تم دیوانے ہو، تمہیں میری محنت، میری ذہانت، میرے جذبۂ ایثار اور میرے خلوص کی کوئی قدر نہیں۔ تمہیں اس بات کا کچھ احساس نہیں کہ محض میرے وسیع تعلقات کی وجہ سے تمہیں کس قدر فائدہ حاصل ہوا ہے اور کاروباری دنیا میں تمہارا نام اب کس عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

زندگی کیونکہ شاعری کا نام نہیں بلکہ ٹھوس حقائق سے عبارت ہے اس لیے عیار شخص کی عیاریاں زیادہ مدت تک کام نہیں آتیں اور حقائق جلد ہی فریب کاریوں کے سارے پردے بڑی بے رحمی سے چاک کر کے لوگوں کے سامنے نمایاں ہو کر آ جاتے ہیں اور ایک شدید ذہنی جھٹکے کے ساتھ انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے ساتھ شرمناک کھیل کھیلا گیا ہے۔

گزشتہ بیس سال سے پاکستان کے حکمران اس ملک اور اس کے عوام کے ساتھ اس طرح کی فریب کاریوں میں مصروف ہیں جس طرح کہ کسی کاروباری ادارے کا عیار رکن اپنے سادہ لوح رفقاء کو بیوقوف بنا کر انہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتا ہے مگر انہیں ہر لحظہ یہی تاثر دیتا رہتا ہے کہ ان کا کاروبار خوب چمک رہا ہے اور ان بیچاروں پر اصل حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب عدالت کا بلیف قرقی کے وارنٹ ہاتھ میں لے کر ان کے مال کو قرق کرنے کی غرض سے انہیں آ گھیرتا ہے۔

ملک غلام محمد کے عہد کو تو جانے دیجیے کیونکہ اس کے بارے میں کوئی شخص کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہ تھا۔ ہر آدمی جانتا تھا کہ ایک ذہنی اور جسمانی لحاظ سے مفلوج انسان کو کسی گہری سازش اور حکمران ٹولے کی باہمی آویزش نے مسندِ اقتدار پر براجمان کر دیا ہے۔ اس لیے اس کے دورِ اقتدار میں ملک و ملت کو جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا وہ عین توقع کے مطابق تھا کیونکہ اس سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع ہی عبث تھی۔ اس نے جس طرح خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کیا اور پھر اپنی اس مجنونانہ حرکت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جو شرمناک ہتھکنڈے استعمال کئے ان میں سے کوئی ایک بھی اس کی سیرت اور ذہنی افتاد کے پیشِ نظر غیر متوقع نہ تھا۔ نہ صرف ملک کے اصحابِ بصیرت بلکہ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی اس کی ان کارروائیوں پر سخت آزردہ خاطر تھے اور اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ رہے تھے کہ ملک تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ سے جو کچھ ہوا اس سے لوگوں کو تکلیف تو ہو رہی تھی مگر ان کے اذہان جھٹکوں سے محفوظ تھے۔ اس شخص کی ساری حرکات و سکنات، اس کی ساری عیاریاں اور فریب کاریاں، اس کی ساری زیادتیاں اور زبردست آزاریاں

ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے تھیں اور سب ان پر نفرین بھیج رہے تھے۔ اس کے عہد میں ملک کے اندر جمہوریت کا جس طرح خون ہوا، عدلیہ نے حق و انصاف کو جس طرح مصلحت کی بھینٹ چڑھا کر اس کے صریحاً غلط اقدام کے لیے جواز فراہم کیا، "انتظامیہ کو گھٹیا اغراض کے حصول کے لیے جس شرمناک طریق سے استعمال کیا گیا اور فوج کو جس ڈھٹائی کے ساتھ انتظامی اور سیاسی امور میں ملوث کیا گیا اور ملک کے اندرونی داخلی کمزوریوں کے پرورش پانے کی وجہ سے پاکستان جس انداز سے بین الاقوامی سازشوں کا اڈہ بنا۔ ان سب باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی اَن ہونی نہ تھی جس پر ملک میں حیرت کا اظہار کیا جاتا۔ اس قسم کے آمرانہ مزاج رکھنے والے حکمرانوں سے ان باتوں کے علاوہ اور توقع بھی کس بات کی کی جاسکتی ہے۔ اس لیے ملک کے عوام نہ تو کسی خوش فہمی کا شکار ہوئے، نہ انہیں ان باتوں پر کوئی حیرت ہوئی۔

عوام طرح طرح کی خوش فہمیوں میں اس وقت مبتلا ہوئے جب ایک فوجی آمر بڑے طنطنے کے ساتھ عوام کے ذہنوں میں نہایت ہی حسین و جمیل آرزوؤں کی جوت جگا کر اور خوش کن توقعات کے محلات دکھا کر بڑے دلفریب نعروں کے جلو میں تختِ اقتدار پر متمکن ہوا۔ اس وقت معدودے چند افراد کو چھوڑ کر ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ لو اب پاکستان کی کشتی جو مصائب کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی اُسے پار لگانے والا آگیا۔ اس کے وجود سے اب ملک کے اندر خیر و برکت کے سرچشمے پھوٹیں گے، استحصال اور ناانصافی کا خاتمہ ہوگا۔ ظلم اور جبر و تشدد کو ہر صورت میں مٹا دیا جائے گا، جاگیرداروں، سرمایہ داری اور نوکر شاہی کی چیرہ دستیوں سے عوام کو نجات حاصل ہوگی اور لوگ امن اور آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں گے۔ مگر افسوس توقعات کے یہ خیالی پیکر قلب و نگاہ کو ابھی آسودگی بھی نہ دینے پائے تھے کہ پاکستانی کشتی کے اس کھیون ہار کے کارنامے عوام کے سامنے آنے لگے، اور انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ ناخدا کشتی کو ساحلِ مراد پر پہنچانے کے بجائے اُسے کسی خوفناک منجدھار کی طرف لے جا رہا ہے۔

عوام کا حافظہ عام طور پر کمزور ہوتا ہے، اس لیے موجودہ حکمرانوں کی ستم رانیوں کے پیشِ نظر سابق حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کو اکثر بھول جاتے ہیں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پاکستان کی تباہی کا آغاز غلام محمد کے ہاتھوں سے ہوا، اور اس کی تکمیل کے لیے فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس نے سب سے پہلے فوج کو اس کے اصل فرض یعنی دفاع وطن سے ہٹا کر انتظامی معاملات میں براہِ راست دخیل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دفاعی نقطۂ نظر سے کمزور ہونے لگا اور فوج کے بارے میں عوام کے جذبات کے اندر ایسی تبدیلی آنے لگی جسے کسی طرح بھی خوش آئند نہیں کہا جاسکتا۔ عوام میں

یہ تاثر بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا کہ فوج کو ملک میں آمریت کے تسلط کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کیا جا رہا ہے درآنحالیکہ اس کا اصل کام ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا ہے۔ یہ تاثر اگرچہ مغربی پاکستان میں بھی عوام کے اندر آزردگی پیدا کرنے کا باعث تھا مگر مشرقی پاکستان میں اس کی وجہ سے شدید قسم کا احساسِ محرومی پیدا ہوا اور وہاں کے باشندے یہ سمجھنے لگے کہ مغربی پاکستان کے طالع آزماؤں کے بل بوتے پر انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم رکھ رہے ہیں، اور ان کی حیثیت پاکستان کے آزاد شہریوں کی نہیں بلکہ کسی نوآبادیاتی نظام کے اندر رہنے والے غلاموں کی سی ہے جو غیر ملکی حکمرانوں کی خاطر زندہ رہنے اور کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی احساسِ محرومی نے ان کے اندر مغربی پاکستان کے خلاف جذبۂ نفرت و حقارت پیدا کیا جو بالآخر یحییٰ خان کے دورِ اقتدار میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوا۔

پھر یہ بھی فیلڈ مارشل صاحب اور ان کے حواریوں کے آمرانہ رجحانات کا ہی نتیجہ تھا کہ ملک کے اندر یک جماعتی حکومت کے قیام کی راہیں ہموار ہوتی گئیں اور دھونس، دھاندلی اور تشدد کے ذریعہ برسرِ اقتدار آنے اور پھر ان فسطائی ہتھکنڈوں کی مدد سے عوام کی گردنوں پر ان کی خواہش کے علی الرغم مسلط رہنے اور دہشت اور غنڈہ گردی کے سہارے مخالفت کی آواز دبانے کا بڑے وسیع پیمانے پر کاروبار شروع ہوا۔ اور عوام کے اندر یہ خیال بڑی تیزی کے ساتھ پرورش پانے لگا کہ اس ملک میں نہ تو رائے عامہ کو ہموار کرکے کوئی تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور نہ ووٹ کے ذریعے حکمرانوں کو بدلا جا سکتا ہے۔ اس لیے کسی فرد اور گروہ کو جو ملک کی عملی سیاست میں کچھ ہی حصہ لینا چاہتا ہے، اسے اپنا وقت اور صلاحیتیں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں صرف کرنے کے بجائے سازش کے ذریعے مسندِ اقتدار پر قبضہ کرنے میں کھپانی چاہییں۔

دنیا کے ہر معاشرے میں فسطائیت کے جراثیم کسی نہ کسی صورت میں تھوڑے بہت پائے ہی جاتے ہیں۔ یہی حال ہمارے معاشرے کا بھی ہے۔ یہاں بھی اشتراکی عناصر اور الحاد کے علمبرداروں کے اندر یہ جراثیم موجود ہیں اور ان کی موجودگی کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ جب کوئی چھوٹی سی اقلیت کسی ایسے نظریے کو عوام پر ٹھونسنے کے درپے ہو جو نہ تو ان کی فطرت سے مناسبت رکھتا ہو، اور نہ ان کی معاشرتی روایات سے کوئی میل کھاتا ہو، تو وہ اقلیت لازمی طور پر غیر جمہوری راستوں سے تختِ اقتدار پر متمکن ہونے کی کوشش کرتی ہے تاکہ وہ حکومت کے وسیع ذرائع کو کام میں لا کر جبر کے ذریعے اس نظریہ کا اس معاشرے میں تسلط قائم کرے۔ اس بنا پر اگر اشتراکیت اور لادینیت کے حامیوں میں فسطائیت کے جراثیم موجود ہوں تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں لیکن فیلڈ مارشل صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ملکی فلاح و ترقی کے نام پر نہ صرف ان جراثیم کو ان کے محدود حلقوں کے اندر پرورش پانے کے پورے مواقع فراہم کیے بلکہ ہوسِ اقتدار کے جنون میں ان خوفناک جراثیم کو معاشرے کے رگ و پے میں بھی پھیلا دیا۔ اور لوگوں کے ذہنوں میں اس غلط اندازِ فکر کو جڑ پکڑنے کا موقع

دیا کہ پاکستان جیسے غیر ترقی یافتہ ملک کے لیے تسلطی اور نیم تسلطی طرزِ حکومت ہی مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے، اور سیاسی شعور یا سیاسی تربیت پیدا کرنے کی ہر جدوجہد ملکی ترقی کی راہ کا سنگِ گراں ہے۔ اس طرزِ فکر کا حکومت کے ذرائع ابلاغ نے بڑی شدومد سے پرچار کیا اور ملک کے اندر اور باہر اسلام دشمن طاقتوں نے فیلڈ مارشل صاحب کے سایۂ عاطفت کو غنیمت جانتے ہوئے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور غیر اسلامی افکار و تصورات کو وہ جس حد تک پھیلا سکتے تھے انہیں پھیلانے کی کوشش کی۔

اس قسم کے غیر دانشمندانہ اقدامات کا جو نتیجہ برآمد ہونا تھا وہ بالآخر ہوا۔ چنانچہ اس خطہ پاک میں ایک طرف تو سیاسی شعبدہ بازوں کو اپنے کرتب دکھلانے کے لیے کھلا میدان ہاتھ آ گیا۔ دوسری طرف انتظامیہ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنی ساری قوتیں حکمران طبقہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے صرف کرنا شروع کر دیں اور ملک میں امن و امان کی صورت غارت ہو کر رہ گئی۔ ان حالات میں سماج دشمن عناصر کو کھل کھیلنے کے بھرپور مواقع حاصل ہوگئے اور دیکھتے دیکھتے یہ ملک عوام کی مقدس آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا مرکز بننے کے بجائے ان کا مدفن بننے لگا اور زندگی اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان کے لیے اس حد تک تنگ ہوگئی کہ ان کے لیے جسم اور روح کے رشتے کو برقرار رکھنا محال ہو گیا۔ لوگ فیلڈ مارشل صاحب کے بارے میں جن خوش فہمیوں میں مبتلا تھے ان کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آنے لگی اور خوش کن توقعات کے جو محلات انہوں نے تعمیر کر رکھے تھے وہ ریت کے گھروندوں کی طرح پیوندِ خاک ہونے لگے اور ہر شخص اپنی جگہ اس تلخ حقیقت کو پوری شدت سے محسوس کرنے لگا کہ اسے فوجی انقلاب کی "برکات" کا صحیح اندازہ لگانے میں سخت غلطی لگی ہے اور اس انقلاب سے اس ملک اور اس کے عوام کو خاصا نقصان پہنچا ہے اور قوم فلاح و کامرانی کے اعتبار سے کم از کم پچاس سال پیچھے جا پڑی ہے۔ مگر قربان جائیے ان چابکدست حکمرانوں کے کہ وہ ان تلخ حقائق کے کھل کر سامنے آ جانے کے باوجود قوم کی گاڑھے پسینے کی کمائی اسے یہ باور کرانے میں بے محابا صرف کر رہے تھے کہ ملک تو ہر لحاظ سے محیر العقول ترقی کر رہا ہے۔ البتہ ملک کے بدخواہ اس کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لے رہے ہیں اور وہ فیلڈ مارشل صاحب کے عظیم الشان کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے ان میں کیڑے نکال رہے ہیں۔ ان لوگوں کو قوم کی خوشحالی ایک آنکھ نہیں بھاتی اور قوم کا بڑھتا ہوا وقار اور ملکی استحکام ان پر شاق گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ ملک اور قوم کے بدخواہ ہیں اور عوام کو ان کی باتوں پر کبھی کان نہ دھرنے چاہئیں۔ صدر محمد ایوب صاحب کے ان عظیم کارناموں کو روشناس کرانے کے لیے یوں تو ریڈیو اور ٹیلیویژن اور سرکاری اخبارات ہمہ تن مصروف رہتے تھے لیکن سال میں کئی مرتبہ مختلف مقامات پر زرِ کثیر صرف کر کے ایسی تقریبات منعقد کی جاتیں جن میں ان کا خوب پرچار کیا جاتا

"دس سالہ دورِ ترقی کا جشن" بھی حکومت کے وسیع پراپیگنڈے کی ہی ایک کڑی تھا۔

عوام کو تو ہر لحظہ ملک کی خوشحالی کا مژدۂ جانفزا سنایا جاتا اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی کہ قوم بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے لیکن قوم کے عام افراد کے لیے زندگی عذاب بنتی جا رہی تھی۔ عوام کے سینوں کے اندر اس پراپیگنڈے کے خلاف شدید ردِ عمل پیدا ہوا، اور انہوں نے ترقی کے ان نعروں اور بیانات کو حکومت کی ڈھٹائی پر محمول کیا اور اس کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

فیلڈ مارشل صاحب کے بعد جس شخص کے ہاتھ میں ملک کی زمامِ کار آئی اس کے بارے میں عوام کسی غلط فہمی کا شکار نہ تھے۔ لوگ جانتے تھے کہ ایک بگڑا ہوا سینئر فوجی آفیسر محض اپنی اونچی پوزیشن کی وجہ سے اقتدار پر متمکن ہو گیا ہے۔ اس میں نہ تو ملک کو سنبھالنے کی کوئی صلاحیت ہے اور نہ قوم کو راہِ ترقی پر گامزن کرنے کی کوئی بصیرت اور جذبہ۔ اس شخص کی ذاتی زندگی کی رنگین داستانیں زبان زدِ عام تھیں اور کوئی فرد بھی اس سے خیر اور بھلائی کا متوقع نہ تھا۔ سوائے اس ایک بات کے یہ شخص چونکہ پورے ملک کی حکومت کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت اور حوصلہ نہیں رکھتا، اس لیے شاید یہ جلد ہی اس بوجھ کو دوسرے کے کندھوں پر منتقل کرنے کا کوئی انتظام کرے اور خود عافیت کے ساتھ ایک کونے میں دبک کر بیٹھ جائے۔ چنانچہ اس شخص نے ملک میں عام انتخابات تو کروائے مگر وہ ان تخریب پسند قوتوں کی راہ روکنے میں یکسر ناکام رہا جو اس ملک کے حصے بخرے کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔ نتیجۃً اس جنرل کی نااہلی کی وجہ سے پاکستان کا ایک مضبوط بازو کٹ کر ہندو سامراج کے قبضہ میں چلا گیا۔

جنرل یحییٰ خاں کے بعد اب اس ملک کی عنانِ اقتدار پھر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آئی ہے جو عوام کے سامنے بڑے دلفریب نعروں کے ساتھ اچانک نمودار ہوا، اور جس نے انہیں بڑی غلط امیدیں دلا کر ان سے ووٹ حاصل کیے۔ عوام نے اسے قوم کا واحد نجات دہندہ سمجھ کر اس کی طرف والہانہ انداز سے رجوع کیا اور یہ صاحب چشمِ زدن میں قائدِ عوام اور فخرِ ایشیا اور اہلِ پاکستان کی آرزوؤں کے مرکز و محور کی حیثیت سے مسندِ اقتدار پر براجمان ہو گئے۔ اس شخص کو ان بلند مراتب پر فائز کرتے وقت اور اس کے خوش کن انقلابی منصوبوں بلکہ صلاحِ احوال کے لیے شاعرانہ نوعیت کے پروگراموں پر یقین کرتے وقت عوام نے یہ سوچنے کی زحمت تک بھی گوارا نہ کی کہ ذرا اپنے اس محبوب قائد کے درخشاں ماضی، شاہانہ مزاج، آمرانہ اندازِ فکر اور خود پسندانہ طرزِ عمل پر بھی غور کر لیا جائے کیونکہ ان چیزوں پر پوری طرح نگاہ رکھے بغیر کسی فرد کو ٹھیک طور پر سمجھا نہیں جا سکتا۔ جو شخص چند ماہ پیشتر آمریت کا زبردست مؤید اور حامی رہا ہو، اور اسے ملک میں مستحکم کرنے کے

ایسے پوری طرح تگ و دو بھی کرتا رہا ہو وہ اچانک فکر و نظر کی تبدیلی کے بغیر جمہوریت کا علمبردار کس طرح بن سکتا ہے؟ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے اور عیش و عشرت میں پل کر جوان ہونے والے افراد غربت و افلاس کی سنگینیوں کو کس طرح محسوس کر سکتے ہیں؟ کوٹھیوں اور محلات میں زندگی بسر کرنے والے لوگ جھونپڑوں میں رہنے والے لوگوں کے مسائل کا آخر کہاں تک ادراک کر سکتے ہیں۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ سوائے انتخابات کے سر پر کھڑے ہونے کے نہ تو تبدیلی کے کوئی محرکات موجود ہوں اور نہ قلب ماہیت کے کوئی واضح آثار نظر آتے ہوں۔ قوم پر چونکہ وارفتگی کا عالم طاری تھا اس لیے اس نے ان حقائق کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دی اور اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھنے پر مصر رہی کہ اس قسم کے اندیشے دوسروں کے بارے میں صحیح ہو سکتے ہیں۔ لیکن اب جو فائدہ انہیں میسر آیا ہے اس کے بارے میں اس انداز پر سوچنا اور غور کرنا بالکل غلط ہے۔ یہ صاحب مستقبل قریب میں اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں گے کہ ان کی ذات گرامی کے بارے میں اس قسم کے خدشات کا اظہار بالکل بے بنیاد تھا۔

عوام کا قریب قریب یہی ناپختہ اندازِ فکر اس نجات دہندہ کے انقلابی پروگراموں کے بارے میں بھی تھا۔ وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ اس کے عہدِ اقتدار میں ملک سے غربت اور افلاس کا خاتمہ ہوگا۔ بندۂ مزدور کے اوقات کی تلخی دور ہوگی اور اسے حقیقی آرام اور سکون میسر آئے گا، بیروزگاری کا قلع قمع ہوگا، ملک میں ایک ایسا نظامِ تعلیم پروان چڑھے گا جو ہماری ملی آرزوؤں سے ہم آہنگ ہوگا، ملک کے اندر جو غیر ملکی سازشیں پرورش پا رہی ہیں ان کے سدِ باب کی فکر کی جائے گی۔ سابق حکمران اپنی برتری کا جھوٹا نقش عوام کے ذہنوں پر مرتسم کرنے کے لیے ملک کی دولت جس طرح اڑاتے رہے ہیں اس کا محاسبہ کیا جائے گا اور آئندہ قوم کے اندر کسی فرد کی شخصیت کا طلسم قائم کرنے کے بجائے پاکستان کے اساسی نظریات کو عوام کے ذہنوں اور خصوصاً نوجوان طبقہ کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

عوام کے اندر موجودہ حالات کے بارے میں جو شدید کرب و اضطراب پایا جاتا ہے اور ان حالات کی پرچھائیں میں انہیں ملک و ملت کا مستقبل جس طرح تاریک نظر آ رہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ہر شخص جو تھوڑی بہت سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے سخت پریشانی میں مبتلا پاتا ہے۔ لیکن داد دیجیے حکمرانوں کی ڈھٹائی کی کہ اب جب کہ قوم کے سامنے سارے تلخ حقائق کھل کر آ گئے ہیں، اور زندگی عذاب کی صورت میں اس پر پوری طرح مسلط ہو چکی (باقی بر صفحہ ۱۴)